بھی بدکار عورت کی اولاد ہوگیا )۔ (غلام احمد قادیانی۔ مصنفہ اشتیاق احمد)

## مرزائی غدّارِ وطن ہیں

ایک موقع پر مرزا بشیر الدین خلیفہ دوم نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ اُن کے پاس گاندھی جی آئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک چار پائی پر لیٹنا چاہتے ہیں۔ (تیاری کر کے لیٹ گئے ) ذرا سی دیر کر کے اٹھ بیٹھے۔ اسی سے نتیجہ نکالا کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے گا۔ یہ تقسیم عارضی ہے اللہ سارے ہند کو ایک اسٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت (مرزائیت) کا جوڑ ڈالنا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہمارا الہامی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے۔ اگر کچھ وقت کیلئے دونوں قومیں جدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہے۔ اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دُور ہو جائے بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے (الفضل ۵۔۴۔۱۹۴۷)

متذکرہ دلائل کے بعد عوام اور حکومت کے کان کُھل جانے چاہئیں۔ اور انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ مرزائی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ انہیں ہر کلیدی اسامی سے برطرف کر کے جبرًا اپنی حیثیت تسلیم کروائی جائے۔ پاکستان میں اصل تخریب کار یہی لوگ ہیں ان کا محاسبہ بہت ضروری ہے۔

## مجاہدینِ آزادی

جن کے عزم و عمل نے سیاسی گذرگاہوں میں اسلام کی عظمت کے چراغ روشن کر کے قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچایا۔

بالآخر وہی لوگ قوم کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے۔ ان پر بیہودہ جھوٹ بولا اور بیہودہ افترا باندھا گیا جسے سن کر ۴ مہرِ ماہ کا پتھے زمین لرزی فلک تھرا گیا۔ ان کی قربانیاں چتا کی راکھ ہو گئیں۔

ان کی استقامت پر تہمتیں تولا گیا،
ان کی عظمت کو داغدار کرنے کی کوششیں کی گئیں
ان کی ہڈیوں کو سوکھی لکڑیوں کی طرح جلا دیا گیا

دجل و دروغ کی سیاست گاہ میں ان کی آواز اس صدا کی طرح ہو گئی جو صحراؤں میں بلند ہو کر ریت کے تودوں میں اتر جاتی ہے وہ لوگ احسانات کی قبر میں لیٹ گئے اور ان کی جگہ ایسے افراد نے لے لی جنہوں نے شہیدوں اور مجاہدوں کے خون کو غازہ اور ہڈیوں کو سرے کا ہمحمل بنایا جہاں تک کہ مجاہدینِ آزادی کے وجود کا چراغ گل ہو گیا اور ان کی جگہ سیاسی مجاور آ گئے جو آج بھی غلامی کا کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں۔

قائدِ احرار، جانشینِ امیرِ شریعت سیّد ابو معاویہ ابوذر بخاری

حکیم محمود احمد ظفر ۔ سیالکوٹ

# علامہ اقبالؒ

## اور

# فتنۂ جمہوریت

علامہ اقبالؒ کے پیشِ نظر زندگی کے چند نظریات تھے جن کی انہوں نے پوری زندگی مخالفت کی ۔ اُن میں عصرِ حاضر کی تہذیب اور اس کے نظریات تھے ۔ اقبال چاہتے تھے کہ ساری دنیا کے لوگوں کو عصرِ حاضر کے فتنوں کے زہریلے اثرات سے آشنا کیا جائے ۔ چنانچہ انہوں نے تہذیب حاضر کی تباہ کاریوں کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی پوری صلاحیتوں سے کام لیا ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تہذیب فرنگ بظاہر بہت دلآویز اور جنت نگاہ ہے تو پھر اقبال نے اسکی کیوں مخالفت کی ۔ اس کے بارہ میں اقبال خود فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| می شناسی چیست تہذیب فرنگ | در جہان او دو صد فردوسِ رنگ |
| جلوہ ہائش خانمہا سوختہ | شان و برگ و آشیانہ سوختہ |
| ظاہرش تابندہ و گیرندہ ایست | دلِ ضعیف است و نگہ رابندہ ایست |

اقبال کی تہذیب فرنگ کی مخالفت ٹھوس حقائق پر مبنی ہے ۔ اس کو عریانی میں دیکھا جائے تو اسکی رگ رگ میں قدیم یونانی نظریات کا زہر رچا ہوا دکھائی دے گا ۔ اُن کے ہاں سوسائٹی کی بنیاد عقل پر قائم ہے اور انسان کی راہ نمائی کے لئے وحی کی ضرورت نہیں ۔ علاوہ ازیں سوسائٹی میں افزائشِ حسن کے لئے عُریانی اور بے حیائی کا رواج ضروری ہے ۔ کیونکہ یونانی فلسفیوں کے نزدیک حُسن کا کمال انسان کا اور بالخصوص عورت کا برہنہ ہونا ہے ۔ چنانچہ تمام فنونِ لطیفہ سنگ تراشی ، مصوری ، تعمیر اور موسیقی ادب اور شاعری میں انسان کے برہنہ جسم اور حیوانی جذبات کی نمائش ہونے لگی ۔ پھر عملی زندگی میں سب کچھ وہی ہوتا رہا جو اِن نظریات میں موجود تھا ۔ چنانچہ جسمانی تربیت کے اکھاڑوں ، کھیل کے میدانوں ، سیرگاہوں اور تماشا گاہوں میں عورت اور مرد ننگے نظر آنے لگے اور یونانی معاشرہ بے حیائی اور فحاشی کی انتہائی پستی تک جا پہنچا ۔ اس کے بعد تاریخ کے دُوسرے اور تیسرے دَور میں رومیوں کے

اقتدار اور چرچ کی بالا دستی کے عہد میں یہ نظریات بڑی حد تک مغلوب رہے۔ لیکن پندرھویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ساتھ ان نظریات کو بھی تازہ کیا گیا اور اس میں تیزی سے شدت پیدا کی گئی۔

پندرھویں صدی میں میکیاولی نے یورپ کو طاقت، سازش اور فریب کاری کی تعلیم دی اور اس تہذیب نے وحشت، بربریت، عیاری اور مکاری کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ پھر سائنسی انقلاب آیا اور اس زمانہ کے سائنس دانوں نے بدمست ہو کر خدا کے وجود پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ ڈیکارٹس نے اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ والٹیر نے اُسے گھڑی ساز سے تشبیہ دے کر اس کا مذاق اُڑایا۔

پھر انیسویں صدی میں ڈارون نے اس تہذیب پر نظریۂ ارتقاء کو مسلط کر دیا۔ اس نے کہا کہ انسان کا جدِ اعلیٰ بندر تھا اور انسان کی موجودہ شکل مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ دنیا کی ہر شئی تغیر پذیر ہے۔ اخلاق بھی محض اضافی ہیں حتّٰی کہ حق اور صداقت بھی کوئی قطعی چیز نہیں۔ اور وحی اور الہام کی متعین کردہ قدریں جمود اور زوال کی طرف لے جاتی ہیں۔

اس کے بعد یورپ کا مقبول ترین فلسفی فرائیڈ منظرِ عام پر آیا۔ اس نے دنیا کی ہر شئی کا تعلق جنس (SEX) سے قائم کر دیا اور کہا کہ دنیا میں سب کچھ جنس ہی ہے اور کسی اخلاق، رواج یا قانون کو جنس کی بالا دستی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد کارل مارکس کی باری آئی۔ اس نے اعلان کیا کہ انسانی تاریخ، معاشرت اور تمدن کا ہر پہلو معاشیات کا نتیجہ ہے۔ اس لئے انسانی زندگی کا مقصد صرف اور صرف مادی ترقی ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلے میں خاندان کے ادارہ کو اڑا دینا چاہیئے۔ آخر میں شوپنہار نے مادہ پرستی کے اس فلسفہ کو آخری منزل تک پہنچایا۔ اور تہذیبِ مغرب میں اپنے اس تصور کو سمو دیا کہ زندگی ایک اندھی رو ہے، وہ قطعی بے شعور طاقت ہے، اس میں اضطراب ہے لیکن کوئی مقصد اس کے سامنے نہیں۔

ان تصورات سے جب قدیم یونانی نظریات کی آبیاری ہوئی تو تہذیبِ عصرِ حاضر معرضِ وجود میں آئی جس کے چند نمایاں اجزاء ترکیبی یہ ہیں:

۱۔ عقل و خرد کی بالادستی

۲۔ الحاد، لادینیت — اور خدا کے وجود سے انکار

۳۔ کثرتِ دولت، جلبِ منفعت اور سرمایہ داری

۴۔ عریانی، بے حیائی اور مرد و عورت کے بے روک ٹوک اختلاط کی آزادی۔

ان انسانیت سوز عناصر کو مدِنظر رکھ کر اقبال نے تہذیب فرنگ کی شدید مخالفت کی اور فرمایا کہ اس نے زندوں کو مُردہ اور مُردوں کو مردہ تر کر دیا اور اسکی ساری رنگینیاں اہلِ بصیرت کے لئے باعثِ عبرت ہیں۔

وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ! ❊ مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ

گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ ❊ من بجز عبرت نگیرم از فرنگ

اسی تہذیب فرنگ کی فکر چنگیزی نے عصرِ حاضر میں جن فتنوں کو جنم دیا اُن میں جمہوریت سب سے بڑا فتنہ ہے۔ دنیا کے سیاسی نظریات میں جس قدر پُرفریب اور پُر تلبیس یہ نظریہ ہے اس قدر اور کوئی نظریہ نہیں ہے بظاہر یہ ایک جنّت ہے جس میں خوف اور حزن کا نام و نشان تک نہیں ہے جس میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے۔ جس میں غربت اور امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو یہ ایک جہنّم ہے جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں جس میں انسانیت کو کُند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس میں شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جس میں غریب اور کمزور کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت سراسر خلافِ اسلام نظریہ ہے۔ یہ کیوں خلافِ اسلام ہے اسکی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جمہوریت کے خلافِ اسلام ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں حاکمیت اعلیٰ ——— (SOVEREIGNTY) عوام کی ہوتی ہے۔ گویا جمہوریت میں عوام اللہ ربّ العزّت کے مقابل ٹھہرتے ہیں۔

علم سیاست میں حاکمیت کا لفظ اقتدار اعلیٰ اور اقتدار مطلق کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جمہور کے صاحبِ حاکمیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور انہیں افرادِ ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔ افراد انکی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں۔ افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں جس کے جو بھی حقوق ہیں اُنہی کے عطا کردہ ہیں۔ وہ ہر ایک حق کو سلب کرنے کا بھی کُلّی اختیار رکھتا ہے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں اسطرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ قانون صاحبِ حاکمیت کے ارادے سے وجود میں آتا ہے اور افراد کو اطاعت کا پابند بناتا ہے۔

انسانی سوسائٹی میں اگر تلاش و جستجو کی جائے تو کوئی قامت ایسا نہیں ملتا جس پر حاکمیت کا یہ جامہ راست آتا ہو۔ گویا مخلوقات میں کسی ہستی پر اس لفظ کا صحیح معنوں میں اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق صرف اور صرف فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ پر ہوتا ہے جس کا حکم قانون، جس کی طاقت و قوت لامحدود، جس کے کام غیر

مسئول اور جس کی ذات منزہ عن الخطاء ہو اور وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔

اقبال مرحوم نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو صرف ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

سروری زیبا فقط اُس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

ایک مومن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکمِ حقیقی سمجھتا ہے اور اللہ کے سوا باقی سب کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے سامنے بتانِ آزری تصور کرتا ہے۔ مومن کے ماسوا تمام لوگ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حاکموں کے محکوم ہیں، ماں باپ کے محکوم، دوست و احباب کے محکوم، استاد اور مرشد کے محکوم، امیروں اور وزیروں کے محکوم، حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم، اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے گئے تھے، مگر دنیا نے اُن کے پاؤں میں حاکمیت کی بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں، ایک مومن اور مسلمان صرف ایک ہی ذات کا محکوم ہے، وہ ایک ہی حاکم کا حکم مانتا ہے کیونکہ اُسے کہا گیا ہے: اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ —— (حکم صرف اللہ ہی کا ہے) وہ ماں باپ اور استاد و مرشد کی تابع فرمانی صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کے حاکم نے اُسے اس کا حکم دیا ہے۔ وہ دوست احباب کے ساتھ اس لئے اچھا برتاؤ کرتا ہے کہ اُس کے حاکم نے اُسے اسکی تلقین کی ہے۔ وہ امراء اور بادشاہوں کے حکم بھی مانتا ہے کیونکہ اس کے احکم الحاکمین نے اُسے اُن کے ایسے حکموں کے ماننے سے نہیں روکا جو اس کے حکموں کے خلاف نہ ہوں۔ گویا کہ ؎

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

وہ جس جس کا کہنا بھی مانتا ہے، جس جس کے حکم کی بھی بجا آوری کرتا ہے اس لئے نہیں کرتا کہ اُن کے اندر کوئی حکم مانتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ حُکم صرف اسی کا ہے اور اطاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے۔ جب ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا تو ضروری ہے کہ اُس کے حکم کی خاطر اس کے بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر اُس کے بندوں کا بھی مطیع ہوا جائے۔ لیکن یہ ساری فرماں برداریاں، ساری وفاداریاں، ساری اطاعتیں —— صرف اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو اور دنیا والوں کا وفادار بننے سے خدا کی حکومت کی بغاوت نہ ہوتی ہو اور کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ ہو جائے تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ، تمام

عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام! اس وقت نہ حاکم حاکم ہے، نہ بادشاہ بادشاہ، نہ بھائی بھائی، نہ باپ باپ، نہ اُستاد اُستاد نہ مُرشد مرشد، ان سب کے آگے تمرّد، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ انکار اور سب کے ساتھ بغاوت، کیونکہ اسی نے کہا ہے کہ جس بات کے ماننے میں خالق و مالک کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی بھی بندے کی اطاعت نہ کرو، کسی کے پیچھے نہ چلو، کسی کی تابع فرمانی نہ کرو، کسی کی فرماں برداری کا دَم نہ بھرو ( لَاطَاعَةَ لِمَخلُوقٍ فِي مَعصِيَةِ الخَالِق )

اب اس کے سامنے سارے رشتے کٹ گئے، سب عہد توڑ ڈالے گئے، سب وفاداریاں ختم ہوگئیں، سب فرماں برداریاں منقطع ہوگئیں کیونکہ یہ سب چیزیں صرف ایک ہی کے لئے تھیں۔ جب اس کے حکم سے انکار اور اسکی وفاداری سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا، اُسی کی تلوار نے کاٹ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بارہ میں جو کچھ بھی اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ ساری باتیں، یہ ساری وفاداریاں، یہ ساری اطاعتیں ایک جمہوری حکومت میں جمہور کو حاصل ہوتی ہیں۔ سَو میں سے اکیاون آدمی جو چاہیں، ایک جمہوری حکومت میں برپا کر سکتے ہیں۔ وہ چاہیں تو شراب کو حلال کر دیں۔ چاہیں تو سُود اور جُوا کو سندِ جواز بخش دیں۔ چاہیں تو ہم جنسی کو قانونی طور پر ملک میں رائج کر دیں، چاہیں تو اللہ اور اُس کے دین کے خلاف بغاوت کے قانون پاس کر دیں۔ چاہیں تو منکرینِ ختمِ نبوت کو ملک میں کُھلی چھٹی دے دیں۔ چاہیں تو منکرینِ حدیث کو حکومت کی سرپرستی میں پنپنے کا موقع دیں، چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بنے ہوئے ملک میں شریعت بل کو پاس نہ ہونے دیں، وہ چاہیں تو ہر قسم کے مُلکی انقلاب کو برپا اور اصلاحی انقلاب کا خاتمہ کر دیں کیونکہ ان کو ملک کے دستور و آئین میں ہر قسم کا اسی طرح اختیار ہوتا ہے جس طرح کائنات میں احکم الحاکمین کی ذات مختارِ کل ہوتی ہے۔ گویا جمہوری نظام میں "جمہور" اللہ ربّ العزت کے مقابلہ کی شے ٹھہرتے ہیں اور "جمہور" اِس نظام میں خدا بنتے ہیں۔

بڑے دُکھ کی بات ہے کہ ہم جب بھی اسلام کے متعلق سوچنے بیٹھتے ہیں تو عیسائی مفکرین، عیسائی اصطلاحات اور عیسائی اقدار کو سامنے رکھ کر سوچتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری سوچ اور فکر ہمیشہ غلط راستے پر چلی جاتی ہے۔ اور اس سوچ اور فکر کے نتیجہ پر ہم اسلام کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خالص کفر ہوتا ہے۔ ہم جب سوچیں تو عیسائی مفکرین، عیسائی اصطلاحات اور عیسائی اقدار سے بے نیاز ہو کر سوچا کریں تو انشاء اللہ نتیجہ اچھا برآمد ہوگا۔ لیکن ہم غیر شعوری طور پر کافرانہ نظام کی وضع کردہ اقدار کو فروغ دیتے ہیں۔ اور ہمارے بڑے

بڑے دردمند حضرات اسی دور میں بہے چلے جاتے ہیں۔

(۲) جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے اس میں امیر لوگ، جاگیردار، اور وڈیرے برسرِاقتدار رہتے ہیں۔ غریب لوگ بالعموم دیندار رہوتے ہیں اور امیر لوگ دین سے دُور۔ علاوہ ازیں امیر لوگ دولت کی وجہ سے بہت سی اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اس لئے جب وہ اختیار واقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو عوام جو کہ دیندار ہوتے ہیں، اُن سے اسلامی اقدار کے نفاذ کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن امیر لوگ اپنی نہاد ذہنی اور عیش وعشرت کی زندگی میں ملوث اور مگن ہونے کی وجہ سے اُن کی خاطر کوئی ایسا ضابطہ اور دستور بنانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے جس سے خود اُن اُمراء پر کوئی قدغن اور رُکاوٹ وارد ہوتی ہو۔ اور اُن کے عیش وعشرت میں کوئی فرق پڑتا ہو۔ کیونکہ اخلاقی اقدار کے لئے اُن کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ صرف چند ایک رسمی باتوں میں وہ لوگوں کو خوش کر دیتے ہیں۔

(۳) جمہوریت میں امراء کے عیش وعشرت کے لئے غُرباء دن رات مختلف چیزوں کی صنعت وحرفت میں ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کریں گے۔ امراء کی قوتِ خرید زیادہ ہوگی اور غُرباء کی کم —— نتیجہ یہ ہوگا کہ امراء دن بدن امیر تر اور غُرباء روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور امراء کو امیر تر بنانے کے لئے غُرباء ذلت کے گڑھے میں گرتے چلے جائیں گے اور معاشی زبوں حالی کا شکار ہو کر بے دین" ملحد اور اشتراکی ہو جائیں گے۔ کیونکہ جمہوریت کا ردِّ عمل اشتراکیت ہے۔ اسی لئے امریکہ آج اشتراکی روس سے ڈر کر دنیا کے جمہوری غریب ملکوں کو امداد دے دے کر اپنے ساتھ رکھ رہا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ اس کے حلیف بنے رہیں اور دوسرے اس لئے کہ کہیں اشتراکیت کو قبول نہ کرلیں۔ یہ امریکی پروگرام "سوشلسٹ پروگرام" کہلاتا ہے۔

(۴) جمہوریت سکنی (STATIC) اور اس کے مقابلہ میں اسلام حرکی ہے۔ (DYNAMIC) جمہوریت کے شہری خودغرض ہوتے ہیں اور ہر کوئی نچلی سطح سے اُوپر کی سطح پر آنے کی جدوجہد میں مشغول ہوتا ہے یعنی مادی انداز میں نہ کہ اخلاقی اعتبار سے۔ اس لئے جمہوری ملک کے لوگ ایثارِ نفس سے عاری ہوتے ہیں اخوت اور ہمدردی سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کوئی دولت بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ صرف ریاکارانہ دوستی اور منافقانہ اخوت ہوتی ہے۔ اور وہ بھی صرف اپنی مطلب برآری کے لئے نہ کہ کسی اعلیٰ قسم کی قدروں کی صورت میں۔

(۵) جمہوریت شرک کی ایک فرع ہے۔ اس لئے کہ کسی ملک کے عوام اور جمہور اس ملک کی آبادی میں سے کچھ لوگوں کو اس یقین اور اعتماد کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں کہ وہ اُن کی مرضی اور خواہش

کے مطابق اُن کے لئے قوانین بنائیں گے۔ پھر وہ منتخب نمائندے اپنی رایوں اور ذہنوں سے کام لے کر ان عوام اور جمہور کے لئے قوانین بناتے ہیں۔ منتخب نمائندوں نے چونکہ عوام سے ووٹ لئے ہوتے ہیں اور آئندہ الیکشن کے لئے بھی وہ لوگوں کے خواہش مند ہوتے ہیں لہٰذا وہ جمہور کی خواہشات کے مطابق قوانین بناتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں اور اگلے الیکشن میں اُنہیں پھر ووٹ دیں۔ اللہ کی رضا کے مطابق قوانین نہیں بناتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عوامی نمائندوں نے دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک انگلستان میں عوام اور جمہور کی خواہشات اور اُن کی مرضی سے پیشِ نظر ہم جنسی تک کو قانوناً جائز قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے لیکن چونکہ اس سے عوام خوش ہیں لہٰذا پارلیمنٹ میں انہی عوامی اور جمہوری نمائندگان نے اسے پاس کر کے قانوناً اسے سندِ جواز عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جمہور کی خوشنودی کا اس قدر لحاظ رکھنا بلکہ اعتقاد رکھنا یہی تو شرک ہے اور شرک اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں لہٰذا جمہوریت کبھی بھی اسلامی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہود و نصاریٰ کے بارہ میں فرمایا ہے:

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ ــــــــــ

کہ ان یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رُھبان (مولویوں اور پیروں) کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے رب بنا لیا تھا۔ اور رب بنانے کا مطلب یہی ہے کہ اُن کے مولوی اور پیر اپنی رائے اور مرضی سے جو قوانین اور احکام اُن پر نافذ کرتے تھے وہ اُن کو مان لیتے اور اُس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ اسی وجہ سے سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔

"ظاہر ہے کہ مشرک ہونے کی حیثیت سے انگریزی اقتدار اعلیٰ اور جمہوری اقتدار اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اُن لوگوں (جمہوریت پسندوں) کی دعوت سراسر غیر اسلامی بلکہ مخالفِ اسلام دعوت ہے۔ ان کے نزدیک انگریزی اقتدار کے مقابلے میں جمہور اہلِ ہند کا اختیار اور انگریزی شریعت کے مقابلے میں ہندوستانیوں کی قانون سازی قابلِ ترجیح ہے، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں یکساں بغاوت، یکساں کفر اور یکساں طغیان و معصیت ہیں"

(سیاسی کشمکش جلد ۳ صفحہ ۱۶۳)

جمہوریت کے کفر اور شرک ہونے کی وجہ سے مولانا مودودی نے ایسی اسمبلیوں کی رُکنیت اور اُن کے لئے ووٹ دینے کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹس موجودہ زمانے کے جمہوری اصولوں پر مبنی ہیں اُنکی رُکنیت حرام

ہے اور اُن کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے کیونکہ ووٹ دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی کرنا ہے جو عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اگر علمائے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں تو اُن سے انکی دلیل دریافت کریں۔''

(رسائل و مسائل حصہ اوّل لعنوان سیاسی مسائل ص۴۴۴)

مودودی صاحب کا یہ فتوی کوئی غلط فتوی نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح فتوی ہے کیونکہ جمہوریت کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ ملک کے اصلی مالک جمہور ہیں اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ جمہور ہی جس کو چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں۔ اور احکام بھی جمہور کی مرضی کے ہوں گے۔ جس حکم پر جمہور راضی نہ ہوں گے۔ وہ حکم حکومت نہیں چلا سکتی۔ اسی لئے عوام اور جمہور کے نمائندے احکام وقوانین منظور کر کے حکومت کے حوالے کرتے ہیں کہ یہ احکام چلاؤ اور حکومت وہی احکام اور قوانین چلاتی ہے اور ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حکومت جمہور اور عوام کی ہے۔ جمہور جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جمہور کے کسی حکم پر اللہ تعالیٰ خوش ہے یا ناخوش۔ اس لئے کہ حاکمیت عوام اور عوام کے نمائندوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو تصور ہی درمیان سے ہٹا دیا گیا ہے۔ یہ عوامی نمائندگان اگر چاہیں تو شریعت بل کو پاس کریں نہ چاہیں تو نہ پاس کریں۔ ان کو کوئی رد کنے ٹوکنے والا نہیں۔ ان کے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ کوئی انہیں سرزنش کرنیوالا نہیں۔ کیونکہ جمہوری حکومت صرف اور صرف عوام اور جمہور کے آگے جوابدہ ہوتی ہے اور انہی کی خوشی اور ناخوشی کا وہ ہر وقت رکھتی ہے۔

(۲) مسلمان جمہوریت کو اپنا کر مرتد ہو جائیں گے کیونکہ اسوقت جو سیادت مادی سربلندی کی وجہ سے عیسائیوں کو حاصل ہے وہ مسلمانوں کو نہیں۔ مسلمان جمہوریت کو تو اپنا بیٹھیں گے لیکن ان صنعتی اور مادی وسائل کے مالک نہیں بن سکیں گے۔ جو وسائل کہ اہل یورپ کو حاصل ہیں۔ اس لئے ذہنی طور پر ان کے مقابلہ میں اپنے کو پست اور ذلیل محسوس کریں گے اور ان کو ہر حیثیت سے اپنے سے برتر اور اعلیٰ سمجھیں گے۔

اور '' دین الملک ملک الادیان '' ——— واللہ اعلم ان کو مرتد کرتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ آج کل بڑی سرعت اور تیزی سے عیسائی معاشرہ کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ بے پردگی، بداخلاقی، زناکاری، شراب خوری اور دوسری اخلاقی خرابیاں اسی جمہوریت کی وجہ ہی سے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت

میں ہر کوئی آزاد ہے۔ کسی پر کوئی دینی تقید نہیں۔

اس کے ساتھ ہی بجٹ اور دیگر ملکی وسائل میں کوئی معتد بہ مقدار کی وسعت محالات میں سے ہے کیونکہ زمین کسی خاص حد تک ہی دولت اُگل سکتی ہے، اس لئے اسلام کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گی۔ لہٰذا حج پر پابندی، افزائش آبادی پر پابندی، قربانی کے لئے مواشی ذبح کرنے پر پابندی کر کم ہو جائیں گے اور ایسے ہی اور بہت سی پابندیاں وارد ہوں گی اور اسلام وسعت حدود کے ساتھ تعددِ ازدواج اور کثرت افزائش اولاد کا قابل حرکی دین اُس کے اندر دم گھٹ کر وہ جائے گا۔ اور لوگ مسلمان نہیں ہوں گے بلکہ کچھ اور ہوں گے۔

(۷) جمہوریت میں پارلیمنٹ کے اندر دو گروہوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک حزب اقتدار اور دوسرا حزب اختلاف —— حزبِ اقتدار کا مقصد اپنی مرضی کے مطابق قوانین کو بنانا اور عوام پر ٹھونسنا ہوتا ہے۔ جبکہ حزبِ اختلاف کی غرض وغایت حزبِ اقتدار کی ہر بات کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے نظامِ حکومت میں نہ کوئی حزبِ اختلاف ہے اور نہ کوئی حزبِ اقتدار بلکہ پارلیمنٹ کا ہر ممبر حزبِ اقتدار میں بھی ہے اور حزب اختلاف میں بھی۔ خلیفۂ وقت اگر صحیح اور درست بات کرتا ہے تو مجلس شوریٰ کا ہر فرد اُسکی حمایت کریگا لیکن اگر وہ نادرست اور غلط بات کا مرتکب ہوتا ہے تو ہر فرد کا یہ حق ہے کہ اُس کی مخالفت کرکے اُس کو راہ راست پر لائے۔ اس بات کو مختصر لفظوں میں یُوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جمہوریت میں اختلاف (AGREE TO DIFFER) کے اصول کے تحت ہوتا ہے جب کہ اسلام میں اختلاف کی بنیاد (DIFFER TO AGREE) کے اصول کے تحت ہوتی ہے۔

(۸) یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام اور جمہور کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ جمہوریت بھی بالواسطہ ایک ڈکٹیٹرشپ ہے بلکہ عام ڈکٹیٹرشپ سے زیادہ بدتر ہے۔ کیونکہ ڈکٹیٹرشپ کے بارہ میں تو پھر بھی کچھ احتجاج ہو سکتا ہے لیکن جمہوریت کے بارہ میں عوام کو یہ فریب دیا جاتا ہے کہ حکومت تو تمہاری ہے۔ تمہی نے ووٹ دے کر ہمیں اپنے نمائندے مقرر کیا تھا، لہٰذا ہم کچھ نہیں کر رہے بلکہ تم ہی سب کچھ کر رہے ہو۔ اس طریقہ سے عوام کے احتجاج کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

جمہوریت کس طرح ڈکٹیٹرشپ ہے —— ؟ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جمہوریت میں وزیرِ اعظم سارے حزب